علامہ اقبال کی شاعری میں مشتِ خاک کا استعارہ

محمد تنویر

Muhammad Tanveer

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

محمد اشرف

Muhammad Ashraf

Ph. D Scholar, Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore.

فیاض احمد

Fayyaz Ahmad

Ph. D Scholar, Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract

Metaphor as an essential element of poetry had been used by all the poets to enrich the meaning and depth of the image which a poet wants to depict.
Iqbal has used the metaphor of "Musht e Khak" many a time in his poetry to depict the reality of man's birth and man's life on this Earth. Iqbal has used the metaphor of "Musht e Khak" specially to enlighten the hidden qualities of man. In this paragraph an attempt has been made to reveal the real thought of Iqbal about man as a perfect creature of Allah on this Earth.

علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں ''مشتِ خاک'' کا جو استعارہ استعمال کیا ہے یہ انھوں نے قرآن پاک سے حاصل کیا ہے۔لفظ مشتِ خاک قرآن پاک میں کئی جگہوں پر استعمال ہوے ہے جن میں سے چند درجِ ذیل ہیں۔

ولقد خلقنا الا نسان من صلصال من حما مسنون (۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا۔(۲)

یہاں قرآن پاک اس امر کی صاف تصریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہوا بشریت کی حدود میں نہیں آیا، جیسا کہ نئے دور کے ڈارون کے نظریے سے متاثر مفسرین قرآن ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں، بلکہ اس کی تخلیق کی ابتدا براہِ راست ارضی مادوں سے ہوئی ہے جن کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے صلصال من حما مسنون کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ حما عربی زبان میں ایسی سیاہ کیچڑ کو کہتے ہیں جس کے اندر بو پیدا ہو چکی ہو، یا با الفاظ دیگر خمیر اٹھ آیا ہو۔ مسنون کے دو معانی ہیں۔ املس یعنی ایسی سڑی ہوئی مٹی جس میں سڑنے کی وجہ سے چکنائی پیدا ہوگئی ہو۔ دوسرے معانی مصور اور مصبوب یعنی قالب میں ڈھلی ہوئی جس کو ایک خاص صورت دے دی گئی ہو۔ صلصال اس سوکھے ہوئے گارے کو کہتے ہیں جو خشک ہو جانے کے بعد بجنے لگے۔ یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خمیر اٹھی ہوئی مٹی کا ایک پتلا بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اور پھر اس میں روح پھونکی گئی۔

شیطان مردود کا خیال تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔ جو کہ غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ افضل وہ ہے جسے مالک و مولا فضیلت دے۔ فضیلت کا معیار اصل جوہر پر نہیں بلکہ مالک کی اطاعت و فرمانبرداری پر ہے۔ آگ کا مٹی سے افضل ہونا یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ آگ میں طیش و تیزی اور ترفع ہے جو کہ استکبار کا سبب ہوتا ہے۔ مٹی سے وقار، حلم، حیا اور صبر حاصل ہوتے ہیں۔ مٹی سے ملک آباد ہوتے ہیں، آگ سے ہلاک۔ مٹی امانت دار ہے جو چیز اس میں رکھی جائے اس کو محفوظ رکھے اور بڑھائے، آگ فنا کر دیتی ہے۔ باوجود اس کے لطف یہ ہے کہ مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے اور آگ مٹی کو فنا نہیں کرسکتی۔

انا خلقنهم من طین لازب (۳)

ترجمہ: بے شک ہم نے (انسان کو) چپکتی مٹی سے بنایا۔(۴)

انسان کی پیدائش کا اصل مادہ مٹی ہے جو کوئی شدت نہیں رکھتی اور اس میں ان پر ایک برہان قائم فرمائی گئی کہ چپکتی مٹی ان کا اصل مادہ ہے تو اب پھر جسم کے گل سڑ جانے اور غایت یہ ہے کہ مٹی ہو جانے کے بعد اس مٹی سے دوبارہ پیدائش کیوں ناممکن جانتے ہیں۔ مادہ موجود، صانع موجود پھر دوبارہ پیدائش کیسے محال ہوسکتی ہے۔

ھو الذی خلقکم من تراب (۵)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے بنایا۔(۶)

و بدا خلق الا نسان من طین (۷)

ترجمہ: اور انسان کی پیدائش مٹی سے فرمائی۔(۸)

علامہ اقبالؒ سے پہلے ''مشتِ خاک'' کا استعارہ حضرت فریدالدین عطارؒ بھی استعمال کرچکے

ہیں۔ وہ خدائے وحدہ لاشریک کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حمد بے حد مر پاک را
آں کہ ایماں داد مشتِ خاک را(۹)

علامہ اقبالؒ نے اردو شاعری کے علاوہ فارسی شاعری میں بھی ''مشتِ خاک'' کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وہ رسولِ پاکﷺ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حمد بے حد پر رسول پاک را
آنکہ ایمان داد مشت ِ خاک را(۱۰)

علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب ''بانگِ درا'' میں آٹھ مقامات پر جبکہ ''بالِ جبریل'' میں تین مقامات پر ''مشتِ خاک'' کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وہ اشعار درج ذیل ہیں:

گوہر کو مشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
بندش اگرچہ سست ہے مضمون بلند ہے(۱۱)

پریشاں ہوں میں مشت ِ خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گردِ کدورت ہوں(۱۲)

خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت ِ خاکِ صحرا نے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں(۱۳)

مگر غنچوں کی صورت ہوں دل دردآشنا پیدا
چمن میں مشتِ خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا(۱۴)

وہ مشت خاک ہوں فیض ِ پریشانی سے صحرا ہوں
نہ پوچھو میری وسعت کی، زمیں سے آسماں تک ہے(۱۵)

روح مشتِ خاک میں زحمت کش بیداد ہے
کوچہ گردِ نے ہوا جس دم نفس فریاد ہے(۱۶)

فاطمہ تو آبروئے امتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت ِخاک کا معصوم ہے(۱۷)

کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلۂ گردوں نورد ایک مشتِ خاکستر میں تھا(۱۸)

یہ مشتِ خاک، یہ صرصر یہ وسعت افلاک
کرم ہے یا ستم تیری لذتِ ایجاد(۱۹)

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے(۲۰)

ہے مری جرأت سے مشت ِ خاک میں ذوقِ نمو
مرے فتنے جامہ عقل و خرد کے تار و پو!(۲۱)

چند اشعار کی تشریح:

یہ مشتِ خاک، یہ صرصر یہ وسعت افلاک
کرم ہے یا ستم تیری لذتِ ایجاد(۲۲)

حکیم الامت، شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی شاعری کا عمیق مطالعہ کریں تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بجنوری کی اس بات کہ ہندوستان کی دو الہامی کتابیں ہیں، رگِ وید اور دیوانِ غالب میں تشنگی ہے۔ اقبالؒ کی شاعری بھی الہامی معلوم ہوتی ہے۔

تشریح طلب شعر میں اقبالؒ نے مشتِ خاک یعنی مٹی سے بنے ہوئے انسان کی بات کی ہے۔ مشتِ خاک ایک استعارہ ہے، تمثیل ہے جس سے انسان کی اصل وابستہ ہے کیوں کہ انسان کا جسم مٹی سے بنا۔ واصف علی واصفؒ نے کہا تھا:

> ''دراصل ہم اس فانی جہاں میں بے قرار ہی رہتے ہیں۔ ہم سب پردیسی ہیں۔ جب تک ہم اپنے دیس نہ جائیں، ہمیں چین نہیں آئے گا۔۔۔۔ ہمارا اصل دیس ہمارے پاؤں کے نیچے مٹی میں ہے یا سر کے اوپر آسمان میں ہے۔ وجود مٹی سے آتا ہے، مٹی کے دیس میں لوٹ جائے گا۔ روح آسماں یا لامکاں سے آتی ہے، وہ وہاں پرواز کر جائے گی اور پھر قرار آئے گا، بے قرار پردیسی کو۔
>
> ماٹی پر ماٹی چلے ، چلے ہزاروں سنگ
> انت کو ماٹی جا ملے ماٹی ہی کے سنگ''(۲۳)

اقبالؒ نے مشتِ خاک، بادِ صموم اور پوری کائنات کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ کی تینوں تخلیقات

کی نمائندگی کر کے اللہ تعالیٰ سے کہا ہے کہ تو نے کن کہہ کر ساری کائنات بنا دی۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

مفہومِ حدیث:

''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں، پس میں ظاہر ہو گیا۔''(۲۴)

شعر میں موجود لذتِ ایجاد کا اصل مطلب کن فیکون کی تشریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں، حیوانوں، چرندوں، پرندوں، درندوں، پہاڑوں، جنگلوں، بیابانوں، صحراؤں وغیرہ کو پیدا فرما کر اپنی لذتِ ایجاد کو پورا کیا ہے۔ اپنی نشانی دکھائی ہے:

لاکھ پردوں میں ہے تو بے پردہ
سو نشانوں پہ بے نشاں تو ہے(۲۵)

اللہ تعالیٰ تو لاکھوں پردوں میں بھی اپنی نشانیوں کے ذریعے واضح رہتا ہے لیکن اپنے نائب کے ذریعے اپنا آپ ظاہر کرنا اسے اچھا لگا۔ اقبالؒ نے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے لذتِ ایجاد کے لیے یہ ساری کائنات بنائی ہے اور اس میں اپنا نائب بھیج کر اپنے آپ کو ظاہر کر دیا ہے:

و از قلنا للملائکته انی جائل فی الارض خلیفه(۲۶)

آج اکیسویں صدی کا انسان اللہ تعالیٰ کے نائب کے فرائض ادا کر رہا ہے یا کہ نہیں اس بات کا اندازہ کرنا مشکل ہے کیوں کہ بیسویں صدی میں تو اقبالؒ نے کہہ دیا تھا کہ ہم نے ان چیزوں کو پیدا کر کیا کہوں اپنے چمن سے جدا کیوں کر ہوا۔

کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیوں کر ہوا
اور اسیرِ حلقۂ دامِ ہوا کیوں کر ہوا
جائے حیرت ہے برا سارے زمانے کا ہوں میں
مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیوں کر ہوا(۲۷)

مگر غنچوں کی صورت ہوں دل دردآشنا پیدا
چمن میں مشتِ خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا(۲۸)

یہ شعر ''بانگ درا'' کی نظم ''تصویرِ درد'' کے چوتھے بند میں تیسرے نمبر پر آیا ہے۔ اس شعر میں موجود مشتِ خاک کے استعارے کی تشریح و توضیح اور پس منظر بیان کرنے سے پہلے اس نظم کا اجمالی تعارف ضروری محسوس ہوتا ہے۔ نظم ''تصویرِ درد'' ابتدا دس بندوں اور ایک سو اٹھائیس اشعار پر مشتمل تھی۔ نظرِ ثانی کے دوران اقبالؒ نے اس کا تیسرا اور ساتواں بند بالکل حذف کر دیا اور دوسرے بندوں

کے بھی متعدد اشعار نظر انداز کر دیئے اور صرف انہتر اشعار باقی رکھے۔ یہ نظم انجمنِ حمایت اسلام کے انیسویں سالانہ جلسے میں پڑھی گئی۔ اور پہلی بار ''مخزن'' س ۱۹۰۴ء کی اشاعت میں بطورِ ضمیمہ شامل ہوئی۔

نظم کے ابتدائی دو بند تمہیدی ہیں۔ تیسرے بند سے اصل مضمون شروع ہو رہا ہے۔ اس نظم میں اقبالؒ دورِ غلامی کے ہر حساس دل کا غم، دکھ اور تڑپ کو بڑی خوبصورتی سے اجاگر کرتے ہیں۔ اور اہل ہند کو حصول آزادی پر ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اقبالؒ نے انگریز کے سازشی ذہن کا پردہ چاک کیا ہے کہ وہ کس طرح Divide And Rule کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔

اس کے بعد اقبالؒ اپنے جذبات کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے چھپے ہوئے زخموں کو سب کے سامنے ظاہر کر کے رہوں گا اور لہو رو رو کر محفل میں باغ کا رنگ پیدا کر دوں گا۔ اپنی چھپی ہوئی جلن سے ہر دل کی شمع روشن کر دینا چاہتا ہوں۔ اے ہندوستاں! تیری اندھیری راتوں میں اسی طرح چراغاں کا ساماں پیدا کر دوں گا۔ میں اپنی مٹھی بھر خاک کو باغ میں ہر طرف پھیلا کے رہوں گا۔ اگر ان بکھرے ہوئے دانوں کو ایک تسبیح کی شکل میں پرونا مشکل ہے تو میں اس مشکل کو آساں کیے بغیر دم نہ لوں گا۔ میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ ساری دنیا کو دکھاؤں گا۔

چوتھے بند میں اقبالؒ نے اپنی ذات کے لیے بہت خوبصورت استعارے استعمال کیے ہیں جن میں سے ایک مشتِ خاک بھی ہے۔ گویا مشتِ خاک سے مراد اقبالؒ کی اپنی ذات اور وجود ہے جو بظاہر بہت حقیر ہے لیکن اس کے اندر تلاطم ہے۔ وہ خود بھی پریشاں ہے اور پورے ہندوستاں کو بھی پریشاں کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہے تا کہ ان میں اپنے سود و زیاں کا احساس تو پیدا ہو۔ جب احساس پیدا ہو جائے گا تو وہ انگریزوں سے آزادی کے لیے کوشش پر آمادہ ہوں گے۔

اقبالؒ کی دعوت ابتدائی دور میں یہ تھی کہ ہندوستاں کے تمام طبقے اپنے جھگڑے چھوڑ کر ملک کی خدمت کے لیے متحد ہو جائیں۔ اس دعوت کی جھلک متعدد نظموں میں پائی جاتی ہے۔ ''تصویرِ درد'' پوری کی پوری اسی رنگ و روغن سے سجی ہوئی ہے۔ یہ آخری بڑی نظم ہے جس کے بعد اقبالؒ کے نقطہ نظر میں بظاہر تغیر پیدا ہوا لیکن حقیقت میں وہ پہلے کی طرح برابر عالمگیر انسانی امن و محبت کی دعوت دیتے رہے ان کے نزدیک اسلام یہی دعوت لے کر دنیا میں آیا تھا۔ آگے چل کر انہوں نے اپنی زندگی اسلامی دعوت کے لیے وقف کر دی۔

روح مشتِ خاک میں زحمت کشِ بیداد ہے
کوچہ گرد نے ہوا جس دم نفس فریاد ہے(۲۹)

یہ شعر ''بانگ درا'' کی نظم ''گورستاں شاہی'' کے بند نمبر سات میں شامل ہے۔ اس شعر کی تشریح و توضیح اور متعلقہ استعارے کی وضاحت اور پس منظر بیان کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پوری نظم کا مجموعی تعارف اور پس منظر بیان کیا جائے تا کہ ایک وسیع تناظر میں متعلقہ استعارے کی

جہتوں اور تہہ داریوں سے پردہ اٹھانے میں مدد مل سکے۔

یہ نظم ۱۹۱۰ء کے ''مخزن'' میں شائع ہوئی اور مدیر نے اس نظم کے ساتھ ایک مختصر نوٹ جس میں لکھا تھا کہ مارچ ۱۹۱۰ء اقبالؒ حیدر آباد گئے۔ اربابِ فضل وکمال کی صحبتوں نے انہیں گدگدایا۔ یہ نظم اس سفر کی یادگار ہے۔ ''گورستان شاہی'' ایسی لاجواب نظم ہے جو فی الحقیقت اقبالؒ کے دیرینہ سکوت کی تلافی کرتی ہے۔

یہ مقبرے حیدر آباد سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر قلعہ گول کنڈہ کے پاس ہیں۔ قطب شاہیہ سلطنت کا دارالحکومت گولکنڈہ ہی تھا۔ حیدر آباد اس سلطنت کے آخری دور میں آباد ہوا۔ عالمگیر نے گولکنڈہ اور سلطنت قطب شاہیہ کو ۱۶۸۷ء میں فتح کیا۔ اس شعر میں اقبالؒ کہتے ہیں کہ انسان کی روح خاک کی مٹھی یعنی جسم میں ظلم کے دکھ اٹھاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی انسان کے لئے مصیبتوں کا گھر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بانسری میں سانس پھونکا جائے تو اس سے فریاد پیدا ہوتی ہے اور انسان کے جسم میں جب تک سانس کی آمد ورفت جاری رہتی ہے وہ سراپا فریاد بنا رہتا ہے۔ اس بند میں اقبالؒ نے کچھ اور استعارے استعمال کیے ہیں۔ اگلے شعر میں وہ انسان کی زندگی کو ایک ایسا پرندہ قرار دیتے ہیں جو شاخ پر آکر بیٹھتا ہے، ذرا سی دیر کے لئے چہچہاتا ہے اور اڑ جاتا ہے۔

اقبالؒ اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آہ ہم زمانے کے باغ میں کیا آئے اور کیا گئے، زندگی کی شاخ سے پھوٹے، کھلے اور مرجھا گئے۔ بادشاہ ہو یا فقیر ہر ایک کی زندگی کے خواب کی تعبیر موت ہے۔ یعنی سب کے لئے مرنا لازم ہے۔ یہ وہ ظالم ہے جس کا ظلم بھی انصاف کی تصویر پیش کرتا ہے اس لئے کہ چھوٹے بڑے، اعلیٰ وادنیٰ، امیر وغریب کسی میں تمیز نہیں کی جاتی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے۔

پوری نظم میں دنیا کی بے ثباتی کو مختلف خوبصورت استعارات وتشبیہات کی مدد سے واضح کیا گیا ہے۔ مذکورہ استعارہ بھی انسان کی زندگی کے عارضی پن کو ظاہر کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس مختصر زندگی میں پیش آنے والے مصائب اور تکالیف کی کسک استعارے کے پس منظر میں بھی محسوس ہو رہی ہے۔

فاطمہ تو آبروئے ملتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے (۳۰)

یہ شعر ''بانگِ درا'' کی نظم فاطمہ بنت عبداللہ کا پہلا شعر ہے۔ اس نظم کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ سب سے پہلے اس کی تاریخی حیثیت کو بیان کرتے ہیں۔

اقبالؒ نے فاطمہ بنت عبداللہ کے حالات ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء کے ''الہلال'' جلد اول صفحہ ۱۶ میں پڑھے تھے۔ حالات کے ساتھ فاطمہ کی رنگین تصویر بھی چھپی تھی۔ فاطمہ کا تعارف کچھ اس طرح سے ہے کہ فاطمہ کی عمر گیارہ سال تھی۔ اس کا باپ اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ اس خاندان کے تمام مرد اور عورتیں

جنگ طرابلس میں شہید ہوگئے تھے۔ڈاکٹر اسماعیل نے فاطمہ کی شہادت کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ اطالوی توپوں سے آگ برس رہی تھی میں نے ظہر کے وقت فاطمہ کو دیکھا اس کا چہرہ دھوئیں اور تپش سے جھلسا ہوا تھا۔ بالوں پر سرخی مائل ریت کی تہہ جمی ہوئی تھی۔اس کے والد شیخ عبداللہ جنگ میں شریک تھے۔اور والدہ بھی فاطمہ کی طرح زخمیوں کو پانی پلا رہی تھی۔عصر کے وقت عرب مجاہدوں کا ایک دستہ اتحادی فوجوں پر ٹوٹ پڑا احمد نوری بے (ایک ترک سپاہی) بھی اپنے تیس سپاہیوں کو لے کر ساتھ ہولیا راستے میں اس کی مڈبھیڑ ایک اطالوی گروہ سے ہوگئی۔اطالویوں نے دستے کو نرغے میں لے لیا۔آخر ترکوں نے جوش شجاعت سے کام لے کر راستہ پیدا کرلیا۔ان کے چار سپاہی زخم کھا کر گر گئے۔فاطمہ نے دوڑ کر اپنا مشکیزہ ایک زخمی ترک کے سینے پر رکھ دیا اور چاہتی تھی کہ مشکیزہ کا منہ زخمی کے لبوں سے لگا دے۔اسی اثنا میں ایک اطالوی نے اسے گریباں سے پکڑ لیا۔فاطمہ نے اپنے آپ کو بے قابو پا کر بجلی کی تیزی سے زخمی ترک کی تلوار اٹھائی اور اس زور سے اطالوی پر وار کیا کہ اس کا بازو کٹ کر لٹک گیا۔فاطمہ پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔اطالوی نے پیچھے ہٹ کر اپنی بندوق اٹھائی اور اس معصوم مجاہدہ کو چشم زدن میں شہید کر ڈالا۔جنگ کے بعد عرب اور ترک اپنے اپنے زخمیوں کی تلاش میں نکلے تو اس مقام پر چار بہادر ترک بے ہوش پڑے تھے۔ان کے پاس سیدہ فاطمہ کا جسد خاکی پڑا تھا۔اس کا مشکیزہ ترک غازی کے سینے پر پڑا تھا۔مشکیزے کا منہ لبوں پر نہ تھا جس سے معلوم ہوا کہ فاطمہ ترک غازی کو پانی نہ پلا سکی۔اس واقعہ سے متاثر ہو کر اقبالؒ نے یہ نظم لکھی۔نظر ثانی میں اس کے بعض شعر قلم زد کر دیئے اور بعض میں جزوی ترمیم کی۔

زیرِ نظر شعر میں اقبالؒ کہتے ہیں کہ اے فاطمہ تو ملت اسلامیہ کے لئے عزت و آبرو کا سامان ہے۔تیرے جسم کی خاک کا ایک ایک ذرہ پاک اور معصوم ہے۔اگلے شعر میں اقبالؒ کہتے ہیں اے صحرائی حور تجھے غازیان دین کو پانی پلانے کی خدمت نصیب ہوئی ہے اور یہ سعادت مندی تیری ہی قسمت میں تھی اور تو نے خدا کی راہ میں تلوار اور ڈھال کے بغیر جہاد کیا۔ذوق شہادت نے تجھ میں کیسی جرأت اور دلیری پیدا کر دی۔اللہ اللہ جس باغ میں خزاں کا موسم چھایا ہوا اس میں ایسی کلی پیدا ہوئی اور ہماری راکھ میں اس قسم کی چنگاری بھی چھپی ہوئی تھی۔

دوسرے بند میں اقبالؒ فاطمہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے فاطمہ تیرے غم میں ہماری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔لیکن ماتمی نالہ وفغاں کے ساتھ ہمارے دل سے خوشی کے نغمے بھی اٹھتے ہیں وہ اس لئے کہ تیری خاک کا رقص دل میں عجیب و غریب نشاط پیدا کرتا ہے۔اس کا ایک ایک ذرہ زندگی کی تڑپ سے بھرا ہوا ہے۔مجھے یقین ہے کہ تیری قبر کی خاموشی میں ہنگامہ چھپا ہوا ہے اور اسکی گود میں اک نئی قوم پل رہی ہے۔مراد یہ کہ قومیں ایسے ہی عظیم الشان کارناموں کی آغوش میں پرورش پاتی ہیں جیسا کہ فاطمہ بنت عبداللہ نے طرابلس کی جنگ میں انجام دیا۔چنانچہ مشت خاک سے

مراد کم سن مجاہدہ فاطمہ بنت عبداللہ ہے جس نے اپنی کم سنی کے باوجود عظیم الشان مثال قائم کر کے امت مسلمہ کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔

ہے میری جرأت سے مشتِ خاک میں نمو
میرے فتنے عقل و خرد کا تار و پو!(۳۱)

اقبالؒ کے ہاں اگر چہ عشق کو عقل پر ترجیح دی گئی ہے لیکن دونوں لازم وملزوم ہیں۔اکثر مقامات پر تو اقبالؒ نے عشق اور عقل کا موازنہ بھی کیا ہے۔اقبالؒ کے نزدیک کہیں کہیں عشق اور عقل باہم معاون نظر آتے ہیں اور کہیں ایک دوسرے کے حریف

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

لیکن اس شعر میں تو اقبالؒ نے عقل کو ایک اور انداز میں لیا ہے۔اقبالؒ کہتے ہیں کہ انسان کی ہمت، جوش اور ولولہ ہی ہے جو پوری کائنات کی ترقی کا سبب ہے۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

اس شعر میں فتنے سے مراد فساد نہیں بلکہ فتنے سے مراد کارنامے ہیں۔اقبالؒ نے کہا ہے کہ قدرت کے اس کارخانے میں میرے کارناموں کی وجہ سے عقل بھی جوان ہے۔عقل حیرانگی کے عالم میں چلی گئی ہے:

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

انسان کی ہمت کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔کائنات کی بڑھوتری کے لیے ان تینوں کا نمو پذیر ہونا بھی ضروری ہے، اور مثل مشہور ہے:

ہمتِ مرداں مددِ خدا

بلکہ! خدا ان کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد آپ کرتے ہیں:

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

اس شعر میں اقبالؒ نے مٹھی بھر خاک کی ہمت ہی کی بات کی ہے کہ اگر انسان ہمت کرے تو عقل والے حیران رہ جاتے ہیں۔بعض اوقات عقل کو بھی عقل آجاتی ہے۔انسان نے اپنی ہمت سے چاند تک رسائی حاصل کر لی اور اب اس کا اگلا قدم مریخ پر ہوگا۔یہ سارا کچھ انسان کی ہمت کی بدولت ہے۔

کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلہ گردوں نوردا اک مشتِ خاکستر میں تھا(۳۲)

اگر اقبالؒ کے اس شعر میں " مشتِ خاک " کی حیثیت دیکھیں تو پانی کے بلبلے سے زیادہ حیثیت نہ رکھنے والا یہ کمزور سے جسم کے ساتھ ایک مضبوط دل لیے ہوئے ہے۔یہ دل ہی ہے کہ اگر ٹھیک

ہو جائے تو سارا جسم سدھر جاتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔

اس شعر کو ہم دو معنوں میں اچھے طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔ عام معنوں میں تو بس وہی بات جو اوپر کی جا چکی ہے کہ اگر کمزور جسم و جان والا یہ انسان جو اپنی مرضی سے سانس اندر اور باہر بھی نہیں کر سکتا ایک مضبوط ارادے، عزم و ہمت والا دل لے کر آیا ہے۔ لیکن جو دوسرا معنی ہے ان میں بڑا اور بہترین معنی اس کائنات کے بہترین انسان کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے، مطلب حضرت محمد ﷺ کے ساتھ۔ جب دنیا والوں نے نبی اکرمؐ پر دنیا کے دروازے بند کر دیے تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے دروازے کھول دیے۔ جبریلؑ سے کہا میرے محبوب کو لے آؤ۔ ارشاد باری ہے:

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ(۳۳)

جب نبی کریمؐ نے مسجد اقصیٰ میں تمام نبیوں کی امامت کی تب جبریلؑ نے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر پہنچ کر معذرت کر لی کہ اس سے آگے جانا میرے بس میں نہیں۔ ایک جگہ اقبالؒ نے اس مفہوم کو اس طرح کہا ہے:

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگان راہ میں ہے(۳۴)

یہ کمزور جسم والا انسان مضبوط دل کے ساتھ ان منازل کو بھی پار کر گیا جن تک انسان کی رسائی نہیں ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبالؒ نے اس شعر میں معراج النبیؐ کا تذکرہ کیا ہے۔

اقبالؒ نے اس شعر میں مغربی مفکر نطشے کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نطشے کمزور جسم کا بیمار انسان تھا جس کے افکار اس کے مضبوط جسم و دماغ کی غمازی کرتے تھے۔ ارسطو نے کہا تھا ایک صحت مند جسم ہی میں صحت مند دماغ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مضبوط جسم و جان کا مالک تھا لیکن اس کے باوجود ظاہری طور پر دیکھیں تو کمزور جسم کا ہر شخص جسے بچپن میں یتیمی مل گئی مضبوط جسم و جان کے ساتھ پوری دنیا کے افکار بدلنے پر تلا ہوا تھا بلکہ اس نے بدل ڈالے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

> ''اگر چہ یہ شمع ۱۹۰۰ء تک دھواں دیتی رہی لیکن اس کی لو ۱۸۸۸ء کا سال شروع ہوتے ہی بجھ چکی تھی۔ فطرت اپنے خلاف اس کے جارحانہ حملے برداشت نہ کر سکی لہذا اس کے ہوش و حواس سلب کر لیے اور اس کی زندگی کے آخری بارہ سالوں پر خطِ سہو کھینچ دیا۔ قدرت کی طرف سے اس کے ساتھ یہ ستم ظریفی ہوئی کہ اس کے انتہائی کمزور جسم میں انتہائی طاقتور دماغ رکھ دیا گیا تھا۔''(۳۵)

حوالہ جات

۱۔ پارہ نمبر ۱۴، سورۃ الحجر، آیت نمبر ۲۶

۲۔ ترجمہ تفہیم القران از مولانا مودودی
۳۔ پارہ نمبر۲۳،سورۃ الصفٰت ،آیت نمبر ۱۱
۴۔ ترجمہ کنز الایمان از حضرت امام احمد رضا بریلوی
۵۔ پارہ نمبر۲۴،سورۃ المومن،آیت نمبر ۶۷
۶۔ ترجمہ کنز الایمان از حضرت امام احمد رضا بریلوی
۷۔ پارہ نمبر۲۱،سورۃ السجدہ،آیت نمبر ۷
۸۔ ترجمہ کنز الایمان از حضرت امام احمد رضا بریلوی
۹۔ عطار،فرید الدین، پندنامہ،لاہور: رضا پبلی کیشنز،س ن،ص:۳
۱۰۔ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال (فارسی) ''پس چہ باید کرد''،لاہور: مکتبہ دانیال،س ن،ص:۹۴۰
۱۱۔ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال اردو،لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۱ء،ص:۷۷
۱۲۔ ایضاً،ص:۹۹
۱۳۔ ایضاً،ص:۹۹
۱۴۔ ایضاً،ص:۱۰۰
۱۵۔ ایضاً،ص:۱۲۹
۱۶۔ ایضاً،ص:۱۷۷
۱۷۔ ایضاً،ص:۲۴۳
۱۸۔ ایضاً،ص:۲۸۲
۱۹۔ ایضاً،ص:۳۴۸
۲۰۔ ایضاً،ص:۳۹۵
۲۱۔ ایضاً،ص:۴۷۴
۲۲۔ ایضاً،ص:۳۴۸
۲۳۔ واصف علی واصف،دل دریا سمندر،لاہور: کاشف پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء،ص:۲۰۹
۲۴۔ التفسیر الوسیط ،جلد۹،الہیی العامہ،مصر،۱۹۹۳ء،ص:۱۱۱۰
۲۵۔ امیر مینائی،مشمولہ: منہاج القرآن، ماہنامہ،لاہور،مئی ۲۰۰۸ء،ص:۷
۲۶۔ پارہ نمبر۱،سورۃ البقرہ،آیت نمبر ۳۰
۲۷۔ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال اردو،لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۱ء،ص:۱۲۶
۲۸۔ ایضاً،ص:۱۰۰
۲۹۔ ایضاً،ص:۱۷۷
۳۰۔ ایضاً،ص:۲۴۳

۳۱۔ ایضاً،ص:۴۷۴

۳۲۔ ایضاً،ص:۲۸۲

۳۳۔ پارہ نمبر۱۵،سورۃ بنی اسرائیل،آیت نمبرا

۳۴۔ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال اردو،لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۱ء،ص:۳۹۵

۳۵۔ محمد ارشاد،مجذوب فرنگی،مشمولہ: پاکستانی ادب،اسلام آباد: اکادمی ادبیات،۱۹۹۲ء،ص:۲۲۵

☆.....☆.....☆